رفعت مرتضیٰ

سیڑھیوں پر بیٹھے اسے شام ہوگئی تھی اور کوئی بلانے نہیں آیا تھا۔ ویسے تو اس کی کوئی ایسی ضرورت نہیں تھی اور نہ ہی اس گھر میں کوئی ایسا رواج ہی تھا مگر یونہی اس کا جی چاہتا تھا کہ کبھی کوئی تو اسے' اس کے لئے بھی بلائے۔

"چھوٹے بابا ----!" اچانک ماں کھڑکی کے پاس آکر زور سے بولی۔

چھوٹے بابا! میں کب سے تمہاری راہ دیکھ رہی ہوں اور تم یہاں چھپے بیٹھے ہو۔ چلو اندر آؤ۔ میرا کچھ ہاتھ بٹا دو بیٹا----!"

"آتا ہوں اماں ----!" اس نے بے دلی سے کہا اور بیٹھا رہا۔

شام کے سائے اکٹھے ہوچکے تھے اور ہوا میں ٹھنڈک بھی بہت بڑھ گئی تھی۔ برابر کے گھر میں عورتوں نے صحن میں تندور روشن کرکے روٹیاں لگانے کی تیاریاں شروع کردی تھیں۔ ایک موٹی سی عورت سر پر اوڑھی چادر کے دونوں پلو کانوں کے پیچھے لے جاکر کمر پر ڈالے چوکی پر بیٹھی پیڑے بنا بنا کر پرات میں رکھے جا رہی تھی۔ تندور سے اٹھتا دھواں ایک ستون کی مانند فضا میں اٹھتا اور تحلیل ہوجاتا۔ کبھی تندور میں کوئی لکڑی چٹختی تو چٹ چٹ بولتی چنگاریاں بھی دھوئیں کا ساتھ دیتی' پھلجھڑیاں چھوڑتی' فضا میں رنگ بھرنے لگتیں۔ نیچے وادی میں سبھی گھروں میں تندور روشن ہونے کا وقت تھا کہ جگہ جگہ سے دھوئیں کی چھوٹی بڑی لکیریں اوپر اٹھتی چلی آ رہی تھیں۔

"چھوٹے بابا----!" ماں اب کے دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔

"آتا ہوں اماں ----!" اس نے ایک بار پھر کہا۔ ماں کچھ دیر کھڑی دیکھتی رہی۔ پھر دروازے بند کرکے واپس چلی گئی۔

گھر کے پچھواڑے کی سڑک گھر کی چھت سے کچھ ہی نیچی تھی۔ سڑک کے دوسری طرف آرمی کے سپلائی یونٹ کے گھوڑوں اور خچروں کا طویلہ تھا۔ گھر کے ایک قطار میں بنے کمروں کے آخری سرے پر باورچی خانہ تھا اور باورچی خانے کے برابر میں بنے چھوٹے سے کچے صحن کی کچی دیوار پر بیٹھ کر وہ اکثر سائیسوں کو گھوڑوں' خچروں کی مالش کرتے دیکھتا رہتا۔ گھوڑے سر ڈالے' خود کو سنبھالے ہوئے کھڑے ہوتے' یوں کہ جیسے رقیق ہو کر ابھی بہہ جائیں گے۔ گاہے گاہے جھرجھری لے کر بیدار ہو جاتے اور سموں سے کچے فرش کی مٹی اڑاتے ہنہنانے لگتے۔ سائیس ان کی کمر پر تھپکیاں دیتے' چمکارتے' سہلاتے اور پھر سے رگڑی کرنے لگتے۔ کبھی کوئی سائیس سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھتا اور آشنا سی مسکراہٹ مسکراتا۔ "کیا ہو رہا ہے چھوٹے صیب جی؟"

وہ چپ بیٹھا رہتا۔

"کیا بات ہے گلاب دین ---- آج چھوٹے صب چپ چپ ہیں کچھ ---" دوسرا سائیس بات بڑھاتا۔

"یہ تم لوگ گھوڑوں کی مالش کیوں کرتے ہو؟" وہ رکھائی سے پوچھتا۔
"اس سے گھوڑا صاف ستھرا رہتا ہے۔ کھال کی چمک بڑھتی ہے ----"
"اور اگر نہیں کریں گے تو نوکری جاتی ہے ----" دوسرا لقمہ دیتا۔
"یہ سارا دن کھاتے کیوں رہتے ہیں ----" کبھی گفتگو کا سلسلہ یوں شروع ہوتا۔
"یہ بھی ضروری ہے ---- جتنا کھائیں گے اتنا مضبوط ہوں گے۔"
"وہ کس لئے؟ کوئی بھی تو کام نہیں کرتے یہ ----"
"وہ الگ بات ہے۔"
"کیوں الگ بات ہے؟" اس کا تجسس چوکس ہو جاتا۔
"وہ ادھر پہاڑی پر جو نوجوان بارڈر کی حفاظت کرتے ہیں ان کے پاس سامان لاتے لے جاتے ہیں۔"
"جہاز نہیں جاتا وہاں؟"
"ارے چھوٹے بابا ---- جہاز کہاں جائے گا وہاں ----"
اسے سائیس کی آواز اور لہجہ اچھا نہ لگتا تو وہ رخ دوسری طرف پھیر کر نیچے وادی میں پھیلے گھروں کو دیکھنے لگتا ----

اس نے مڑ کر دیکھا۔ کچھ سائیس گھوڑوں کی باگیں پکڑے سڑک پر آگے پیچھے چلے جا رہے تھے۔ یہ ان کو ٹہلانے کا وقت تھا۔ گھوڑوں کی لال رنگ کی اونی جیکٹیں اترتے کہرے میں اور بھی لال ہو کر چمک رہی تھیں۔
"بھائی آؤ ---- آؤ ---- آؤ ---- بلال آئے ----" اب کے بلال نے دروازہ کھولا اور دونوں کواڑوں پر دونوں ہاتھ رکھ کر کھڑا ہو گیا۔ ایک بھچری ہوئی لہر سی اس کے اندر اٹھی اور سر سے اونچی چلی گئی۔ وہ اٹھا اور تیز تیز سیڑھیاں چڑھتا دروازے تک آیا۔ کچھ دیر بلال کے سامنے کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ پھر ایک ہاتھ سے اسے ایک طرف ہٹاتا ہوا اندر چلا گیا۔ بلال زور سے ہنس دیا۔ یہ غیر فطری سی ہنسی لمحے بھر کے لئے اس اندھیرے اجالے میں ٹھٹکی سی کھڑی رہی۔ پھر نیچے وادی میں اتر گئی۔ مگر اس ایک لمحے میں جب وہ ٹھٹکی ہوئی سی کھڑی تھی' اس کا جی چاہا تھا کہ ہاتھ بڑھا کر اسے پکڑے اور کہیں کسی تہہ خانے میں بند کر دے۔ یہ دیوانہ قہقہہ اس کی گیارہ برس کی زندگی کا سب سے بڑا امتحان بنا ہوا تھا۔

"لالہ! باہر بیٹھے ہوئے کیا کر رہے تھے تم؟ اس کہرے میں بیٹھنا اچھا نہیں۔ سانس کی بیماری ہو جاتی ہے چندا ----" ماں نے نرمی سے کہا "چلو ادھر آ کے ہاتھ بٹاؤ میرا۔ رات کا کھانا ابھی تیار نہیں ہوا اور بابا تمہارے آ کے سب کی جان کھا جائیں گے۔"

اسی وقت احاطے کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔
"دیکھا؟ ---- کیا کہہ رہی تھی میں؟ اب دیکھنا کیسا نصیحہ کھڑا ہو گا ----" ماں بڑبڑائی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر تیز تیز چلتی اسے باورچی خانے میں لے گئی۔
"بلال سے کیوں نہیں کوئی کام لیتا ----؟"
"لالہ کون لے گا اس سے کام؟ اور کیا لے گا؟ وہ کچھ کرنے کے لائق بھی ہو ---- چپا چپا تو ہاتھ ہیں اس کے ----"

"مگر میں ہی کیوں؟" وہ جھنجلایا ہوا سا' ہاتھ جھٹک کر بولا۔
"لالہ! میں کیا جواب دوں اس کا؟ جس دن مرگئی تو جواب آپ ہی آپ مل جائے گا سب کو۔"
"وہ چپ ہوگیا۔ لمحے بھر کے لیے اس نے اس امکان پر غور کیا۔ اگر ماں نہ رہی؟ اور جواب میں اسے یوں لگا جیسے راستہ کھو کر وہ کہیں خلا کے سکوت میں بھٹک گیا ہو۔ جیسے راستہ ڈھونڈتی انگلیوں سے اندھیرا لپٹ گیا ہو۔ اس نے دونوں ہاتھ جھٹک کر ہاتھوں سے لپٹے مکڑی کے جالے کو جھٹکنے کی کوشش کی۔
"اب کیا ہے بچے؟ چلو تو جاکے اپنے بابا کا بستر ہی بنا دو ------ میں جب تک چولھے پر چاء کا پانی رکھتی ہوں۔ تم آ کے چاء بنانا' میں روٹیاں ڈال دوں گی۔ سالن تو گرم ہے ہی ------"
بلال چولھے کے پاس رکھے پیڑھے پر بیٹھا چولھے میں جلتی آگ کی طرف دیکھ رہا تھا مگر جیسے ہی گھر کا دروازہ کھلا وہ جلدی سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔
"بابا آئے ---- بابا آئے ------" وہ دوڑتا ہوا باورچی خانے سے نکل گیا۔
ماں نے جلدی سے روٹی بیلی اور توے پر ڈال دی۔
وہ باپ کا بستر بنا کر واپس باورچی خانے میں آ رہا تھا جب باپ نے باہری دروازہ بند کرکے کنڈی لگائی اور مڑکر اس کی طرف دیکھا۔
"سلام بابا ------!" اس نے باپ کی طرف دیکھے بنا آہستہ سے کہا۔ بلال دوڑتا ہوا آیا اور باپ سے لپٹ گیا۔
"بابا آئے ------ بابا آئے ------" اس کی پھٹی ہوئی آواز جوش مسرت میں اور بھی پھیل گئی۔
باپ نے اپنے کولھوں کے گرد لپٹے بلال کے ہاتھ الگ کردیئے۔ "ہاں ہاں ---- ٹھیک ہے بھئی ٹھیک ہے ---- جاؤ اپنا کام کرو---- میں تھکا ہوا ہوں آرام کرنے دو ------ تنگ نہ کرو ------ جاؤ بھئی جاؤ --- کہا ناں!" وہ بلال کو اپنے سے الگ کرتا' پرے ہٹاتا' بے ربط جملے بولتا آگے بڑھ آیا۔
اس نے غور سے باپ کا چہرہ دیکھا جس پر ہمیشہ ایک سایہ سا تنا رہتا۔ ایک تناؤ ---- ایک تشنج کی سی کیفیت طاری رہتی۔
"جاؤ ---- لے جاؤ اس کو ----" باپ نے چھوٹے بیٹے سے نظریں چراتے ہوئے کہا اور بلال کو سختی سے ایک طرف ہٹا کر اندر کے کمروں کی طرف چلا گیا۔
"چلو ---" اس نے بلال سے کہا۔
"چلو ----" بلال نے اس کی بات دہرائی۔ مگر اپنی طرف بڑھا اس کا ہاتھ جھٹک کر باپ کے پیچھے دوڑ گیا۔
"بلال!" ------ اس نے پھر بلال کو آواز دی مگر تب تک وہ بھی کمرے میں غائب ہوچکا تھا۔ وہ جلدی سے باورچی خانے کی طرف چلا گیا۔ اسے معلوم تھا ابھی اندر سے باپ کی دہاڑتی ہوئی آواز نکلے گی اور اس کے احساسات اور جذبات کو پامال کرتی چلی جائے گی۔
"آگئے بابا تمہارے ------ ؟" ماں نے اسے دیکھتے ہی پوچھا۔
"ہاں ----" اس نے روکھا سا جواب دیا۔
"لو پھر اب میز پر کھانا بھی لگا دو ----"

اس نے چپ چاپ الماری سے پلیٹیں نکالیں اور میز پر رکھ دیں۔ ماں نے کھانا ڈونگے میں نکالا اور روٹیاں چنگیرے میں رکھ کر اس کی طرف بڑھا دیں۔ پھر ہاتھ دھو کر دوپٹے کے پلو سے پونچھتی سامنے کی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"کہاں ہیں بابا تمہارے؟" کچھ دیر کے انتظار کے بعد اس نے کہا مگر اسی وقت وہ کھنکارتا ہوا کمرے میں داخل ہوا اور خاموشی سے کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ ماں نے سالن کا ڈونگا اس کی طرف بڑھایا اور ڈھکنا اتار کر ایک طرف رکھ دیا۔ چھائی خاموشی میں اس کی نوالے چبانے کی آواز سب کی سماعت پر گرنے لگی۔

"آج شیخوں کے پاس سے ----" ماں نے باہمی گفتگو کا آغاز کرنے کی کوشش کی۔

"گولی مارو شیخوں کو ----" وہ ناگواری سے بولا۔ ماں چپ ہو گئی۔

"اور کیا خبر ہے آج کی ----؟" کچھ دیر بعد وہ خود ہی بولا۔

"بس وہی بات تھی ایک ---- جب سے سردی کا موسم شروع ہوا ہے گھر سے باہر جانا بھی نہیں ہوتا۔ سارا دن تو برف گرتی رہتی ہے ----"

"رحمن نہیں آ رہا؟"

"اس کے گاؤں کا راستہ بھی برف نے بند کر دیا ہے۔ کہلا بھیجا تھا اس نے ----"

"ہوں ----" باپ نے ہنکارا بھرا۔ "کیا ہوا شیخوں کو؟" پانی پینے کے بعد گلاس زور سے میز پر رکھتے ہوئے اس نے خود ہی شیخوں کا ذکر چھیڑا۔

"ان کے پاس سے ایک تسبیح اور کھجوریں آئی ہیں آج۔ بڑے شیخ جی حج سے واپس آ گئے ہیں ---- اعجاز! وہ پلیٹ رکھی ہے کارنس پر ---- لانا تو ذرا بیٹا جی ---- آپ کو بہت بہت سلام بھیجا ہے انہوں نے ----"

"ہوں----"

"آپ ان کو کھانے پر بلائیں گے کیا؟"

"کیوں؟ کیا ضرورت ہے؟ ہمارے پاس کیا دولت کے ڈھیر لگے ہیں؟ ---- اور تم وہاں کھڑے کیا دیکھ رہے ہو۔ ادھر آ کے بیٹھو۔ کھانا کھاؤ ---- پھر دیر تک جاگتے ہو اور دوسروں کی نیند بھی حرام کرتے ہو----"

"حرام کرتے ہو ----" بلال نے باپ کی بات دہرائی اور زور سے ہنس بھی دیا۔

اس نے کچھ جواب نہیں دیا اور پلٹ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

"یہ تمیز سکھائی ہے تم نے لڑکوں کو؟" باپ کے ماتھے پر بل آ گئے۔

"باہر ٹھنڈی ہوا میں بیٹھا تھا۔ طبیعت پر اثر ہوا ہے کچھ ----" ماں نے جلدی سے صفائی پیش کی۔ اس کا جی چاہا پلٹ کر جائے اور کہے طبیعت ٹھنڈی ہوا نے خراب نہیں کی۔ کسی اور نے نہیں کی۔ آپ کو کچھ نظر نہیں آتا؟ کبھی دیکھا ہے اپنے آپ کو؟ آپ کے کان آپ کی بات نہیں سنتے؟ میری طبیعت خراب نہیں ہے" ---- مگر وہ بے بس اپنے اندر ہی اندر کڑھتا ہوا اپنے کمرے میں جا کر بستر پر لیٹ گیا۔

باورچی خانے میں مکمل خاموشی چھا گئی ---- ایک سکوت۔ صرف اس کے نوالے چبانے اور نگلنے کی آواز آتی رہی۔ پھر اس نے اسی زور شور کے ساتھ پانی پیا اور ایک شور کے ساتھ کرسی پیچھے کرتا اٹھا اور کمرے سے نکل

"چاء کمرے میں بھجوا دینا۔" دروازے سے نکلنے سے پہلے اس نے کسی طرف بھی دیکھے بنا کہا اور چلا گیا۔

"جی اچھا ----- آپ اعجاز کو ادھر بھیج دیجئے-----" ماں نے بڑی عجلت اور مستعدی سے کہا مگر تب تک وہ کمرے سے نکل چکا تھا۔ بلال بھی پھسلتا ہوا اپنی کرسی سے اترا اور اس کے پیچھے بھاگ گیا۔

"یہ کھانا نہیں کھائے گا کیا؟ ----- بلاؤ اس کو اپنے پاس ---- میں دن بھر جھک مارتا ہوں۔ اب سکون چاہئے مجھے -----" باپ کی غصیلی آواز گونجتی ہوئی' باورچی خانے میں آئی۔

"بلال ----!" باپ کی بات ختم ہونے سے پہلے ہی ماں نے جلدی سے بیٹے کو پکارا۔ "بلال میرے لال! ---- ماں کے پاس آؤ بیٹا ----" وہ دوڑتا ہوا باورچی خانے میں آگیا۔ سفید کرتے پاجامے میں وہ چھوٹے سے دھڑ پر بڑے سر کو اٹھائے لڑھکتا ہوا آ رہا تھا۔ ماں کچھ دیر اس کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر اس کی آنکھوں میں پانی اترنے لگا۔

"قسمت!!" اس نے دکھے دل سے کہا ---- "آجا میرا بیٹا --- بیٹا میرا ----- چل بیٹھ کھانا کھالے ---- بیٹا --- بیٹا -----" وہ شاید کسی جذبے کو ---- اپنے احساس کو جانچ رہی تھی۔

"کھانے کھالے----" بلال نے ماں کی بات دہرائی اور اچک کر باپ کی چھوڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"کھانا " ------ اس نے پلیٹ پر چمچہ بجایا۔ "بلال کھانا کھالے ----"

"چاء -----" دوسرے کمرے سے باپ کی آواز آئی۔ وہ ان سنی کئے بلال کی پلیٹ میں کھانا نکالتی رہی۔ پھر ایک نوالہ بنا کر اس کے منہ میں دیا۔ چولھے پر کھولتی چاء پیالی میں ڈالی اور خود ہی کمرے کی طرف لے کر چلی۔

"ابھی تم یہ نوالہ کھاؤ لالہ ----- میں اعجاز کو لے کر آتی ہوں۔ دونوں بھائی مل کر کھانا کھائیں گے۔" وہ اس کی طرف دیکھتی' مسکراتی باورچی خانے سے نکل گئی۔ واپسی میں اعجاز اس کے ساتھ تھا۔

"مگر میں اس کے ساتھ بیٹھ کر کھانا نہیں کھاؤں گا۔" ہر روز کی طرح اس نے ناگواری ظاہر کی۔

"جانے بھی دو لالہ ----- بھائی کے ساتھ بیٹھ کر کھانا نہیں کھاؤ گے؟ میں بھی تو بیٹھی ہوں۔ کیا میرے ساتھ بیٹھنا بھی اچھا نہیں لگتا تم کو؟"

وہ چپ چاپ سر جھکا کر کھانا کھانے لگا۔ ماں نے نوالے بنا بنا کر بلال کے منہ میں دینے شروع کئے۔

"اچھا خاصا تو کھا سکتا ہے اپنے ہاتھ سے ----- آپ کیوں کھلاتی ہیں اس کو؟" اعجاز نے روٹی توڑتے ہوئے کہا۔

"کہاں بیٹے ----- کدھر کھا سکتا ہے خود سے -----" وہ نرمی سے بولی۔

"آپ کھانے تو دیں اس کو ----- دیکھیں تو -----"

"دیکھ چکے کئی بار بیٹا ----- تم بھی تو جانتے ہو ----- کیسے چاروں طرف کھانا گراتا ہے۔ پھر اچھا نہیں کہ خود ہی کھلا دیں"

"مگر پھر یہ کیا کرے گا اگر آپ مر گئیں ----- میں مر گیا' ہم سب مر گئے؟ صرف یہ رہ گیا۔ پھر کیا کرے گا یہ ----- کچھ تو کرے گا ناں۔"

"پھر اس کی قسمت بیٹے۔ جیتے جی تو اس کو مارنا نہیں۔ پھر اللہ کے بندے بھی مل جاتے ہیں وقت پڑنے پر

----- تم چھوٹے سہی مگر ہر لحاظ سے بڑے ہو اس سے ----- عقل میں' سمجھ میں ----- طاقت میں' کام کاج میں ----- ہم نہ سہی ----- تم تو رہو گے اس کا خیال کرنے والے -----"

"کبھی نہیں -----" وہ تیزی سے بولا۔

"ایسے مت کہو لالہ ----- تمہارا ہی تو آسرا ہے۔ ہمارے بعد تم ہی تو ہو گے دیکھ بھال کرنے والے اس کی -----"

"والے اس کی ----- والے اس کی -----" بلال کھلکھلا کر ہنس دیا۔

"نہیں نہیں ----- ہرگز نہیں۔ اس نے غصے میں پلیٹ پرے دھکیل دی۔

"مجھے برا لگتا ہے۔ یہ ڈر لگتا ہے اس سے۔ ہنستا کیسے ہے! چلتا کیسے ہے! بات کیسے کرتا ہے! سر دیکھیں کتنا بڑا ہے۔ نہا بھی نہیں سکتا خود سے ----- کپڑے بھی خود نہیں پہنتا -----"

ماں چپ چاپ نوالے بنا بنا کر بلال کے منہ میں رکھتی چھوٹے بچے کی فریاد سنتی رہی۔ عجب مذاق کیا ہے قدرت نے۔ میری بھی کیا قسمت!! مگر کیوں؟ کیوں؟ کچھ کیا تھا میں نے؟ کوئی گناہ کیا تھا میں نے؟ خدایا مجھے تو یاد نہیں میں نے جانتے بوجھتے کسی کو دکھ دیا ہو ----- چوری کی ہو' مارا پیٹا ہو کسی کو ----- کچھ بھی تو نہیں کیا۔ پھر کیوں؟ دیا پھر کیوں؟؟ اس نے آخری نوالہ بلال کے منہ میں ڈالا۔ پھر اپنے سامنے کی پلیٹ میں کھانا نکالا۔

"چلو جاؤ بلال جا کے کلی کرو۔ اور دیکھو بابا کو تنگ نہیں کرنا۔ تھکے ہوئے ہیں۔ ناراض ہو جائیں گے۔"

"نہ آز ہو جائیں گے۔ نہ آز ہو جائیں گے" ----- بلال نے ماں کی بات دہرائی' پھر کھسکتا ہوا کرسی کے کنارے تک آیا اور اچک کر زمین پر کود گیا۔

"بابا پاس ----- بلال بابا پاس ---- آئے نا ----- بابا آئے ناں' بلال بابا پاس آئے ناں -----"

وہ زور سے ہنس دیا۔ پھر مڑ کر چھوٹے بھائی کی طرف دیکھتا دوڑتا ہوا چلا گیا۔

"اس کو مار ڈالوں گا کسی دن۔" اس نے دانت کچکچا کر سوچا' "میں مار ڈالوں گا اس کو کسی دن -----" غصے سے اس کے لب بھنچ گئے۔ "اگر یہ مر جائے تو؟" اچانک اس کے منہ سے نکلا۔

"اعجاز تمہارا دماغ خراب ہوا ہے کیا؟" ماں نے ہاتھ کا نوالہ واپس پلیٹ میں ڈال دیا۔ "کیوں ایسی بات کرتے ہو تم لالہ؟ میں تو پہلے ہی دکھی ہوں۔

اس کا بھی چھوٹا سا دل دکھ گیا ----- ماں کے ساتھ برتن دھلاتے' باورچی خانے میں پھیلی چیزوں کو واپس ان کی جگہوں پر رکھتے اس نے ماں کی طرف غور سے دیکھا' "ایسے کیوں ہوتا ہے؟"

"کیا کیسے ہوتا ہے بیٹا؟" ماں بے دھیانی سے بولی۔

"میں' آپ' بابا! ----- ہاں بابا بھی ----- دیکھنے میں تو ایک ہی جیسے ہیں۔ میرا مطلب ہے بلال کیوں ہمارے جیسا نہیں؟"

"ہمارے ہی جیسے ہے بیٹا-----"

"آپ کو پتہ ہے وہ ہمارے جیسا نہیں۔ کیوں ہے ایسے؟ کیا ہوتا ہے کہ کوئی ایسے ہو جاتا ہے۔"

"بیٹا میں کیا جانوں۔ ڈاکٹر کہتا تھا خون کی کوئی خرابی تھی۔"

"کیسی خرابی؟"

"دیکھ بیٹا! میں کہاں کی ایسی پڑھی ہوئی ہوں کہ کچھ بتاؤں۔ بس وہ لیڈی ڈاکٹر کہنے لگی کبھی کبھی بچے میں دوسرا خون آجاتا ہے۔ میرا خون' تمہارے بابا کا خون' تمہارے بابا کے خاندان کا خون۔ میرے خاندان کا خون۔ اتنے خون مل کر ایک بچہ بنتا ہے۔ کہیں کسی خون میں خرابی ہو تو وہ بچے میں بھی آ جاتی ہے۔ کچھ جین وین کی بات تھی۔ پر نیچے کے گھر میں جو اماں رہتی ہے وہ تو کہتی تھی جادو ہے۔ کسی نے جادو کیا ہے میرے بچے پر ----"

"کس نے؟"

"یہی تو پتہ نہیں چلتا بیٹا ----"

"پر ہم تو کسی کو تنگ نہیں کرتے۔ آپ نے کیا تھا کیا؟ اور بابا ----- بابا کو تو ....." وہ چپ ہوگیا۔

ماں نے چولھے کی لکڑیاں باہر نکال کر پانی کے چھینٹے سے آگ بجھائی اور راکھ میں دبے کوئلوں کو اور بھی اچھی طرح راکھ میں دبا کر اوپر ٹین کا ڈبہ رکھ دیا۔ وہ غور سے ماں کے مصروف ہاتھوں کی طرف دیکھتا رہا۔

"اگر ڈاکٹر کہتی ہے کہ خون خراب ہے تو ڈاکٹر خون ٹھیک بھی تو کر سکتی تھی۔ ڈاکٹر تو سب کر سکتے ہیں۔ کیوں نہیں اس کا خون نکال کر دوسرا خون ڈال دیتے؟"

ماں نے لکڑیوں پر پانی کا ایک اور چھینٹا دیا۔ "بیٹا اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ ایسے لوگ ایسے ہی رہتے ہیں۔ تم خدا کے فضل سے جیسے ہو اس کو اب کوئی نہیں بدل سکتا۔ تمہارے ہاتھ پیر سلامت' خدا تمہیں ہمیشہ ایسے ہی رکھے۔ سکھی اور خوش رکھے ----"

"آپ کو پتہ تھا اماں؟" اس نے چھوٹی سی' جذبات کی کشمکش سے کمزور پڑتی آواز میں کہا۔

"ماں کو پتہ چل جاتا ہے بیٹا! مجھے بھی ایسا لگتا تھا جیسے میرے پیٹ میں کوئی لوتھڑا سا پڑا ہو بغیر نرم' ہڈی پسلی کے بغیر۔ جیسے اسپنج کا ٹکڑا۔ میں پیٹ دبا دبا کر دیکھتی ---- کیا ہو تم؟ کہاں ہو تم؟ ----" ماں جیسے اپنے آپ سے باتیں کرنے لگی ---- کچھ دیر دونوں چپ رہے۔ ماں نے ہاتھ میں پکڑا چمٹا چولھے کے پاس کھڑا کیا اور سر اٹھا کر کہیں دور دیکھنے لگی۔

"پھر وہ میرے ہاتھوں میں آیا تو میں نے ڈاکٹر کی صورت دیکھی۔ اس نے نظریں چرا لیں۔ شاید کبھی چل نہ سکے ---- شاید بول نہ سکے ---- شاید بیٹھ بھی نہ سکے ---- کیوں؟ میں نے خوفزدہ ہو کر پوچھا۔ کیونکہ بچہ نارمل نہیں ہے ---- مگر اب تم دیکھو بیٹا ----" وہ اس دور دراز کے سفر سے اچانک واپس پلٹ آئی اور سامنے بیٹھے بیٹے کے سر کو آہستہ سے چھوا۔

"مگر اب تم دیکھو بیٹا! دیکھو تو تمہارا بھائی اب چلتا بھی ہے' بول بھی لیتا ہے ---- بیٹھ بھی جاتا ہے --- آدھی باتیں ڈاکٹر کی تو غلط ہو ہی چکی ہیں۔" وہ اداسی سے ہنس دی۔

وہ چپ بیٹھا ماں کی باتوں پر غور کرتا رہا "مگر اماں میں کیا کروں؟" اس کی آواز گلے میں پھنس رہی تھی۔

"کچھ بھی نہیں بچے ----" ماں کی آواز میں بھی ایک عجیب تاسف اور ناامیدی تھی۔

اسی وقت مسجدوں سے عشاء کی اذان بلند ہوئی۔ سرما کی ساکت کھڑی رات کے کناروں پر گری تو جیسے پوری فضا تھرتھرا گئی۔ نیچے وادی میں بچوں نے گھروں کے صحنوں میں آ کر موذن کی آواز میں آواز ملانی شروع کردی۔ تھوڑی ہی دیر میں پوری وادی اذان کی آوازوں سے گونجنے لگی۔

دوسرے کمرے سے بلال کی آواز بھی بلند ہوئی۔

"خاموش۔ انو کے بچے ------" باپ گرجا۔
بلال فوراً چپ ہوگیا۔ ماں نے ایک گہری سانس سینے میں کھینچی مگر کچھ کہا نہیں۔
"اس کو عقل بھی نہیں۔" اعجاز نے کہا۔
"مگر دوسروں کو تو عقل دی ہے خدا نے ------"
"بابا اس کو پسند نہیں کرتے ------"
"انہی کا خون ہے ------" وہ آہستہ سے بولی۔
"تو یہ بابا کا خون ہے --------؟" اس کے کان کھڑے ہوگئے۔
"ارے نہیں چھوٹے بابا ------ میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ بچے ماں باپ کا ہی تو خون ہوتے ہیں ------ یہ کہہ رہی تھی میں ------"
وہ اٹھا اور اپنے کمرے میں چلا گیا۔ کھڑکی کے اس طرف' رات کے اندھیرے میں تاریکی گھلتی جا رہی تھی۔ پچھلے ہفتے جو برف گری تھی وہ سڑک کے کنارے کہیں کہیں اب بھی ایک ڈھیر کی صورت پڑی تھی اور اس اندھیرے میں چمک رہی تھی۔ اس نے آہستہ آہستہ کھڑکی کا شیشہ اوپر کی طرف کھسکایا جس کے ساتھ ہی باہر کی یخ ہوا' جیسے گرمی کی تلاش میں دوڑتی ہوئی اندر داخل ہوگئی۔ اصطبل سے گھوڑوں کے ہنہنانے کی آواز آتے ہی اس نے جلدی سے کھڑکی بند کردی اور کپڑے بدل کر بستر میں گھس گیا۔
"چلو بلال تم بھی اپنے کمرے میں چلو ------" دوسرے کمرے سے ماں کی آواز آئی۔
"ناں" وہ اپنی بھدی اور بے قابو آواز میں بولا۔
"دیکھو بلال بابا! تم کو معلوم ہے یہ کمرہ تمہارا نہیں۔ اپنے کمرے میں سوتے ہیں بیٹا ------ چلو میں بھی چلتی ہوں تمہارے ساتھ' بھائی کے ساتھ سوؤ چل کے ------"
"جلدی آنا ہاجرہ ------ میرے پیر دباؤ آکر ----" باپ نے روکھے لہجے میں کہا اور دیوار کی طرف منہ پھیر لیا۔
"جی اچھا۔ بلال کو بستر میں لٹا کر ابھی آتی ہوں جی ------"
"اس سالے کو تم کبھی بڑا نہیں ہونے دو گی۔ سالا بد بخت ساری عمر تمہارے ہاتھوں پر پڑا رہے گا کیا؟" باپ کے لہجے میں پھر سختی آگئی۔ "کیا اولاد پیدا کی ہے تم نے بھی ہاجرہ!"
ماں نے کوئی جواب نہیں دیا۔
"اس بد بخت کی وجہ سے تو میں کہیں منہ نہیں دکھا سکتا۔" باپ کی آواز میں غصہ ابھرنے لگا۔
"خدا کی دین ہے جی ------ کسی کو کیا الزام دیں ہم ------" وہ منمنائی۔
"تو کون گیا تھا خدا کی یہ دین مانگنے ------ سارا قصور تمہارا ہے ہاجرہ ---- پتہ نہیں کیا کیا تم نے اس کی پیدائش میں ------ مجھے تو اپنا بچہ نہیں لگتا یہ --------"
ماں نے پھر کوئی جواب نہیں دیا۔ دوسرے کمرے میں اس کا چھوٹا سا دل غصے سے دھڑکنے لگا۔ ہر روز اس کمرے میں یہی مکالمہ ہوتا تھا اور ہر روز وہ یہاں اس کمرے میں بے بس اندر ہی اندر غصے کی آگ میں جلتا اس مکالمے کے ختم ہونے کا انتظار کرتا رہتا۔ "کس نے کہا تھا تم کو کہ بچہ پیدا کرنے کے لئے ماں کے گھر جانا ضروری تھا۔

ں ماں نے تمہارے گھر والوں نے ایک دن بھی تو مجھے عزت نہیں دی۔ دامادوں والی عزت نہیں دی۔ وہ پیسے والے ہوں گے تو اپنے گھر میں ہوں گے ------ اور اگر اتنا ہی گھمنڈ تھا اپنی دولت کا تو کیوں بیاہا تھا تمہیں مجھ سے؟ کوئی بر نہیں مل رہا تھا؟ کسی کو رشتہ ہی قبول نہ ہوا تمہارا ------ میری ہی قسمت جو خراب ہونا تھی ------" وہ بولے چلا جا رہا تھا۔ مگر ماں نے اب بھی کچھ نہیں کہا۔

"چلو بلال' چلو تمہارے کمرے میں-------" کچھ دیر بعد ماں کی آواز آئی۔

"اچھا ------ تو اب میری بات کا جواب بھی منظور نہیں ------- بہت گھمنڈ دکھانا آگیا ہے ------ مجھے بھی بل نکالنے آتے ہیں ------ کسی خیال میں نہ رہنا ------"

"آپ تھکے ہوئے ہیں' آرام کیجئے۔ میں بلال کو اعجاز کے پاس چھوڑ کر ابھی آتی ہوں جی -------"

"زیادہ دیر نہیں کرنا -------" اس نے غصے سے کہا۔

"بس جی ابھی آئی -------"

دوسرے کمرے میں اعجاز نے اپنا سر تکیے کے نیچے رکھ کر دونوں ہاتھوں سے اسے کانوں میں بھینچ لیا۔

"سوگئے کیا اعجاز لالہ -------؟" ماں نے کمرے میں آتے ہوئے کہا۔ وہ سوتا بنا پڑا رہا۔ ماں نے بلال کے کپڑے بدلوانے شروع کردیئے۔

"بات سنا کرو بلال۔ کتنی دیر کردیتے ہو تم۔ دیکھا تمہارے بابا کیسے ناراض ہو رہے تھے۔ اب دیر ہوئی تو پتہ نہیں کیا کریں گے۔ اچھا خاصا تم بھائی سے کپڑے بدلوا لیتے تھے -------"

" ہاہاہا ------ کھد کھد ہے ------ بلال کو کھد کھد ہے ------" ماں نے اس کو بش شرٹ پہنا کر بٹن بند کرنے شروع کئے تو سینے پر ماں کی انگلیوں سے اسے گدگدی ہونے لگی۔

اعجاز تکیہ پھینک کر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ "شٹ اپ" اس نے زیر لب مگر غصے سے بھاری آواز میں کہا۔

"ارے بابا! تم تو جاگ رہے ہو ابھی ------"

"ہاں ہاں جاگ رہا ہوں۔ اماں آپ اس کو باورچی خانے کے ساتھ والا کمرہ کیوں نہیں دے دیتیں-------"

"کیا کرے گا یہ وہاں لال جی ------ اتنی سردی ہے۔ مرجائے گا اگر اسے ادھر لٹاؤں گی تو۔"

"اچھا ہے ------" وہ دانت پر دانت جما کر بولا۔

"دیکھو بیٹے تم سارا وقت ایسے غصہ نہیں کیا کرو۔ بچے! میں بھی ماں ہوں' جتنی تمہاری اتنی ہی اس کی۔ میرا دل دکھتا ہے جب اس کی طرف دیکھتی ہوں۔ جب تمہارے بارے میں سوچتی ہوں۔ مگر لالہ! بھائی ہے یہ تمہارا۔ اس پر تو کسی کا کوئی زور نہیں۔" وہ بلال کے کپڑے بدلواتی آہستہ آہستہ بولتی رہی۔

وہ چپ ہوگیا۔ وقت نے' حالات نے' اس کی نے اسے عمر سے زیادہ بڑا بنا دیا تھا۔ ماں کے لہجے میں چھپے غم اور مجبوری نے اسے نڈھال کردیا۔ وہ پھر لیٹ گیا اور چپ چاپ لحاف کا کونا بلال کے لئے اٹھا دیا۔ ماں نے اسے برابر میں لٹایا' لحاف کے کونے اندر کی طرف موڑے اور دونوں کے ماتھے پر پیار کرتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔ بلال نے اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے بھائی کی گردن بھینچ لی۔

"بھائی --- بھائی ------ !" وہ اعجاز سے لپٹ گیا۔ اعجاز نے سر موڑ کر اس کی طرف دیکھا اور مسکرا دیا۔

پھر آہستہ آہستہ اس کے ہاتھ الگ کئے۔

"اب سوجاؤ بلال! مجھے بھی نیند آ رہی ہے ----" اس نے دوسری طرف کروٹ بدل لی۔

اچانک دوسرے کمرے سے یوں آواز آئی جیسے کچھ گرا ہو۔ اعجاز ایک جست میں بستر سے نکلا اور دروازہ کھول کر دوسرے کمرے میں جھانکا۔ ماں دونوں ہاتھوں سے اپنا پہلو دباتی فرش سے اٹھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"وہ کمبخت تجھے اتنے ہی عزیز ہیں تو جا وہیں جا کے مر۔ سو جا کے ان اپنے یاروں کے ساتھ ----" باپ کی تلوار کی طرح کاٹتی ہوئی آواز آئی۔

"بلال ناسمجھ ہے جی' کبھی کبھی سنتا نہیں' ایسی دیر تو نہیں ہوئی۔ لائیے دبا دیتی ہوں آپ کے پیر۔" ماں نے پھر باپ کے پیروں پر ہاتھ رکھ دیئے۔

سنتی نہیں حرامزادی ---- دفعہ ہو یہاں سے ----" ماں بے بسی کی تصویر بنی برابر کے پلنگ کی پٹی پر بیٹھ گئی۔ اعجاز دروازے کے پاس سے ہٹ کر پھر بستر پر آ کر لیٹ گیا جہاں بلال چت لیٹا' چاروں طرف سے بے خبر' منہ کھولے سو رہا تھا۔

"اس کو تو نیند بھی آجاتی ہے۔" اس نے غور سے بلال کا چہرہ دیکھا۔ پھر اٹھا اور کھڑکی کھول کر آہستہ سے باہر نکل گیا۔ کھڑکی سے باہر وہ جہاں کودا تھا وہ نیچے کے گھر والوں کے کسی کمرے کی چھت تھی۔ کچھ دیر چھت پر دبک کر بیٹھے رہنے کے بعد وہ سیدھا کھڑا ہوا۔ کھڑکی کا شیشہ کھینچ کر نیچے کیا اور چھت کے دوسرے سرے پر گلی گھر کی طرف جاتی سیڑھیوں پر دبے پاؤں چڑھتا پچھلے صحن کی طرف چلا گیا۔ آسمان بالکل صاف تھا۔ چاندنی نہیں تھی مگر ایک روشنی سی چاروں طرف پھیلی تھی۔ سامنے پوسٹ آفس کے اندر روشنی لرز رہی تھی۔ شاید پوسٹ ماسٹر دوسرے روز کی ڈاک الگ کرنے میں لگا ہوا تھا۔ یا باہر جانے والی ڈاک تھیلوں میں بند کر رہا تھا۔ جہاز ہفتے میں ایک ہی روز آتا تھا جس سے وادی کی ضروریات کا سامان پہنچتا تھا۔ کبھی سیاح بھی آن اترتے اور جب یہی جہاز واپس جاتا تو لوگوں کے خط پارسل' واپس پلٹتے سیاح اور کچھ میدانی علاقوں میں قسمت آزمانے کے لئے جاتے نوجوانوں کو ساتھ لے جاتا۔ پوسٹ آفس کے پیچھے کے پہاڑوں کی چوٹیاں چاندی کی بنی ہوئی لگ رہی تھیں۔ خاموش' پراسرار اور سفید!! وہ صحن کی کچی دیوار پر چڑھا اور دوسری طرف سڑک پر اتر کر اصطبل کی طرف چلا گیا' جہاں چارے کی خوشبو اور گھوڑوں کے جسموں سے نکلتی حرارت نے آگے بڑھ کر اسے گود میں لے لیا۔ گھوڑے اپنے درمیان ایک اجنبی کو دیکھ کر بے چین ہوگئے۔ زمین پر سم مارنے کی آواز' ہنہنانے کی کوشش اور ایک پیر میں بندھی لوہے کی زنجیر کی آواز ---- خاموش کھڑی رات میں یہ شور اپنے حجم سے بڑھ کر لگا۔

"اوئے کجراں دی اولادو! ---- بے تمیزو! ---- چپ کر کے بیٹھو----" کسی کی نیند سے بوجھل آواز آئی۔ "گلاب دین جا دیکھ جا کے منڈیاں کیوں شور مچایا ----"

"چھوڑ دو جی بادشاہو ---- کاکے ایویں ہی مسخری کردے ---- آپ سوجاؤ جی ---- میں کان کھول کے سوندا جے ---- تسی آرام کرو جی ----"

یہ دونوں آوازیں اس کی پہچانی ہوئی تھیں۔ اس نے قریب کھڑے گھوڑے کے پٹھوں پر ہاتھ پھیرا۔ اس کے ہاتھ کے نیچے وہ جسم جیسے دہک رہا تھا۔ گھوڑے نے ایک جھرجھری لے کر سر موڑ کر اس کی طرف دیکھا اور پھر چاروں پیر ایک کے بعد ایک اٹھائے اور رکھے۔ زنجیر ایک بار پھر بج اٹھی۔

"رات بہت ٹھنڈی ہے خچر بادشاہو! کیوں مہاتڑ بندیاں نوں گرم بستر سے کڈدے ہو---- بہتر ہے کہ آپ بھی سو جاؤ اور ہم غریب بندیاں کو بھی سون دیو ------" پھر آواز آئی۔

"گلاب دینا! آج ہے کج ان ماں کے یاروں کو ------"

"او جی کج نئیں ہے ان کو۔ ایسے ہی مسخری کرتے ہیں جی ------" گرم بستر سے نکلنے کے لئے جی دونوں میں سے کسی کا بھی نہیں کر رہا تھا۔ اعجاز نے کھونٹی پر لٹکا لال رنگ کا کمبل اتارا اور وہیں لیٹ کر کمبل اپنے چاروں طرف لپیٹ لیا۔ زمین پر بچھا بھوسہ گرم تھا اور اس سے میٹھی میٹھی باس اٹھ رہی تھی۔ اصطبل کی نیچی دیوار کے اس طرف نیلم کے جیسی رات پھیلی تھی۔ کہیں بہت دور' آسمان پر تارے سردی سے کانپ رہے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں نیچے وادی سے گانے بجانے کی آوازیں بھی ہوا کے زور پر اٹھ اٹھ کر اوپر آنے لگیں۔ اس نے کمبل سے اپنا جسم لپیٹا اور اٹھ کر دیوار کے پاس چلا گیا۔ دور اندھیرے میں چند سائے ہاتھوں میں مشعلیں لیے کچھ گاتے بجاتے چلے جا رہے تھے۔ وہ نیچی دیوار کے پاس کھڑا بوجھل اور اداس دل لئے خاموش دیکھتا رہا۔

"اوئے گلاب دین سکھ چین دی جنج چڑھ گئی لگدی ------"

"چھڈو جی ------ ادھی راتی کون مت ماریا جنج چڑھائے گا جی ------ آپ کو ایک گل تو بتائی ہی نئیں ------"

"وہ کیا گل بات گلاب دین------"

"او جی پرسوں اپنا حوالدار ہے ناں ------ وہ جی سکھ چین کے گھر سے نکل رہا تھا کہ سکھ چین کا ابا سر پر پہنچ گیا۔ سکھ چین کے ابے نے اس نوں گلے توں نپ لیا جی ------ بول کھوتیا بول ایتھے کی کم تیرا؟ حوالدار صیب نوں ہور تاں کج سمجھ وچ آیا نئیں' تے بولیا ------ او جی کپتان صاب کی بی بی بھیجیا کہ جا کے سکھ چین سے پھول گوبھی لے آ ------ جی میں پھول گوبھی لینے آیا تھا ------"

"پھول گوبھی لینے گیا سی حولدار ---- ہی ہی ہی ---- بڑی پھل گوبھیاں وڈدی ساڈی سکھ تے چین ---- بڑے دل والی کڑی اے جی --- ہی ہی ہی ----"

"ہاں جی تسی ٹھیک ہی کہندے او ---- ہن سمجھ آیا جے میرے ------ اسی دی شادی ہوندی جے شیت!"

دونوں بات ختم کرکے دیر تک رہ رہ کر ہنستے رہے۔ اعجاز دیوار سے پیچھے ہٹا اور اندر کی دیوار کی طرف چلا گیا جس سے لگ کر اب ایک خچر بیٹھ گیا تھا۔ اس نے پاس بیٹھ کر اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور وہیں اس کے مضبوط جسم سے لگ کر کمبل منہ تک لے کر لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد خود بخود اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور یونہی روتے روتے وہ آخر کار سو گیا۔

اس کی آنکھ کھلی تو باپ اس کے سرھانے کھڑا تھا' اور اس کے پیچھے کھڑے' وہ دونوں چپ چاپ اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ باپ نے کمبل جیسے چھیل کر اس کے اوپر سے اتار دیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے کھڑا کر دیا۔

"نکے صیب کو بہت پیار ہے گھوڑوں سے جی ------" ایک نے اس کی آنکھ کھلتے ہی کہا۔

"اور دیکھو جی کنے پیار سے خچر اپنے صیب جی کو ساری راتی جھولی وچ لے کے بیٹھا رہیا ------"

"نکے بادشاہ خیند میں شیت چلتے ہیں جی ----"

"آپ شیخوں سے پتہ کریں جی ---- وہ جانتے ہیں ایک پیر سب کو۔ سب بیماریاں ٹھیک کرتے ہیں جی وہ ---- اللہ نے بڑی شفا دی ہے ہاتھ میں۔ آپ چھوٹے سب کو لے جائیں اس کے پاس ------"

باپ نے کسی کی بات کا جواب نہیں دیا۔ صرف اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا "چلو بیٹا-----"

اعجاز نے چونک کر باپ کی صورت دیکھی ------ یہ بھلے الفاظ اس نرم لہجے میں کیا اسی منہ سے نکلے تھے؟------

"معاف کرنا بھئی! آپ لوگوں کو خواہ مخواہ میں تکلیف ہوئی۔" وہ اب سائیسوں سے مخاطب ہوا۔

او نئیں جی نئیں ------ تکلیف کیسی ------" دونوں نے ایک ساتھ کہا۔ "فجر بھی ساری راتی شانت بیٹھے رہے۔ پچانتے ہیں نکے بابا کو ------ ہور کوئی آئے تو اس طرف ------ شور مچا دیتے ہیں ------ ہنگامہ کردیتے ہیں جی ------" دونوں نے چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا ------ تو رات کی' فجروں کی بے چینی کی یہ وجہ تھی ------!

باپ نے پھر بھی کوئی جواب نہیں دیا۔ بس ان کو سلام کرتا ہوا باہر نکل کر سڑک کے راستے گھر کی طرف چل دیا۔ اس کا ایک ہاتھ بیٹے کے کندھے پر تھا جس کی انگلیاں گاہے گاہے اس کی کھال میں کیلوں کی طرح گڑ جاتیں۔ جہاں سڑک خالی ہوتی' وہ ہاتھ اٹھ کر کبھی اس کے سر پر' کبھی گردن پر پڑتا۔ دکانیں ابھی بند تھیں' صرف خیر علی کا چاء خانہ کھلا تھا اور بڑے کڑھاؤ میں ہلکی آنچ پر دودھ پک رہا تھا۔ دودھ کی میٹھی خوشبو اس چھوٹے سے بازار کی رونق بنی اڑتی پھر رہی تھی۔ اعجاز نے کڑھاؤ کی طرف سے نظریں پھیرلیں اور بوجھل قدموں سے راستہ طے کرتا رہا مگر راستہ تھا کہ طے ہونے ہی میں نہیں آ رہا تھا۔ ماں کا خیال الگ تڑپا رہا تھا۔ رات دروازے کے دونوں دردں کے بیچ کھڑے ہو کر اس نے ماں کو پہلو دبائے فرش سے اٹھتے دیکھا تھا۔ اسی مظلوم اور صابر ماں کو اس نے رات بھر گھر سے باہر رہ کر دکھ پہنچایا تھا اور کیا معلوم کہ اس کے گھر پر نہ ہونے کا سن کر ماں کے ساتھ باپ نے کیا سلوک کیا ہو ------ اچانک اسے یوں لگا جیسے اس کے اندر ایک دھماکے کے ساتھ ایک بڑا پتھر کسی گہرائی میں جا گرا ہو اور اس کی گونج اس کے وجود کی دیواروں کو توڑنے کی کوشش کر رہی ہو۔ کندھے پر رکھے ہاتھ کا بوجھ اس کے لئے اٹھانا مشکل ہوگیا۔ وہ رکا اور ایک جھٹکے سے اس نے باپ کا ہاتھ جھٹک دیا اور تیزی سے دو قدم آگے جا کر مڑا اور باپ کے راستے میں کھڑا ہوگیا۔ اس کی آنکھیں غصے اور نفرت سے سیاہ ہو رہی تھیں۔ چند لمحے وہ باپ کے سامنے کھڑا رہا۔ پھر مڑا اور تیز تیز چلتا گھر کے احاطے میں داخل ہو کر اوپر جاتی سیڑھیوں کی طرف چلا گیا۔ احاطے میں سیڑھیوں کے پاس ہی شیخوں کا نوکر لکڑیاں کاٹ رہا تھا۔ اس نے ہاتھ روک کر آواز دی۔ "نکے بابا آپ پوچھتے تھے لکڑیاں کیسے کاٹتے ہیں؟-----" مگر وہ رک کر اس کی طرف دیکھے' یا بات سنے بنا تیز تیز سیڑھیاں چڑھتا اوپر چلا گیا۔ جیسے ہی وہ آخری سیڑھی پر پہنچا ماں نے جلدی سے اس کے لئے دروازہ کھول دیا کہ وہ جلدی سے اندر آجائے مگر اسکے اندر داخل ہونے سے پہلے ہی بلال تیزی سے باہرنکلا اور اس کی کمر میں دونوں ہاتھ ڈال کر اس سے لپٹ کر زور سے ہنس دیا۔

"بھائی--- بھائی ------ میرا بھائی ------!" اسی وقت باپ بھی اوپر پہنچ گیا اور بلال کا بازو پکڑ کر اسے کھینچتا ہوا اندر لے گیا۔

"یہ اولاد پیدا کی ہے تم نے ------ آوارہ ------ اوباش ------ گھر سے بھاگ کر راتیں باہر

رنے والی؟" اس نے اعجاز کو ایک دھکا دے کر ماں کے سامنے گرا دیا اور پسلیوں میں ایک زور کا ٹھڈا مارا۔ اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ ماں جلدی سے بیٹے پر جھکی تو دوسرا ٹھڈا اس کے شانوں کے درمیان پڑا مگر وہ پھر بھی دونوں ہاتھوں سے بیٹے کو سینے سے لگا کر اس پر تقریباً لیٹ ہی گئی۔

"شہ دیتی ہے ان بد ذاتوں کو؟ بگاڑتی ہے میری اولاد کو؟ میرے خلاف کرتی ہے ان کو؟ آج تیرا بھی فیصلہ کر کے رہوں گا۔۔۔۔" ہر ہر جملے کے ساتھ ماں پر لاتوں کی' ٹھڈوں کی' تھپڑوں کی بارش ہوتی رہی مگر وہ بے حس و حرکت اسی طرح بیٹے پر چھائی رہی ۔۔۔۔۔ اچانک باپ کے منہ سے پھر ایک بے معنی سی آواز نکلی اور وہ سانپ کی طرح بل کھا کر مڑا مگر اتنے میں بلال ہاتھ میں پکڑا لوہے کا بڑا پھکنا ایک بار پھر سر سے اوپر اٹھا چکا تھا اور اس سے پہلے کہ باپ کوئی مدافعانہ حرکت کرتا' پھکنا اوپر سے نیچے آیا اور اس کے گھٹنے پر آ کر ٹھہر گیا۔ باپ کے منہ سے ایک دلخراش چیخ نکلی اور وہ کٹے درخت کی طرح کھڑے سے گر گیا۔ ماں جلدی سے اٹھ بیٹھی جس کے ساتھ ہی وہ بھی ماں کے پروں سے نکلا اور تیزی سے کھڑا ہو گیا۔

"بلال بھائی ہے۔ بلال اماں ہے۔ اماں ہے ۔۔۔۔۔۔۔" اس نے ایک بار پھر پھکنا اوپر لے جانا شروع کیا۔ بلال کا منہ پتہ نہیں غصے سے' صدمے سے یا اس غیر معمولی ورزش کی وجہ سے' لال ہو رہا تھا۔ اپنے لال ہونٹ اس نے دانتوں میں دبا رکھے تھے۔ بڑے سے ابھرے ہوئے سینے سے نم ماتھے پر چپکتے بال اور موٹی موٹی باہر کو نکلی ہوئی آنکھوں والے اس غیر انسانی چہرے پر تینوں کی نظریں جم گئیں۔ باپ اچانک چلایا ۔۔۔۔۔۔ "رد کو اس کو ۔۔۔۔۔ مار ڈالے گا یہ مجھے۔" اس کے زرد چہرے پر پھیلی آنکھوں میں صرف خوف اور ہراس تھا۔ اس نے اٹھنے کی بھی کوشش کی مگر کمر اور گھٹنوں میں پھیلتے بڑھتے درد نے ساتھ نہ دینے دیا۔ وہ بے ہوش ہو گیا۔ اس سے قبل کہ وہ اٹھا ہوا پھکنا زمین پر بے ہوش پڑے جسم کے کسی بھی حصے پر آ کر گرتا' ماں نے لپک کر بلال کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"ہوش کرو بلال لالہ ۔۔۔۔۔ کیا کرتے ہو ماں کے لال ۔۔۔۔۔ چھوڑو اس کو ۔۔۔۔۔" اس نے پھکنا اس کے ہاتھ سے لے کر ایک طرف پھینک دیا۔ "اعجاز لالہ لے جاؤ اس کو یہاں سے۔ کھال کھینچ دے گا باپ اس کی۔ جاؤ بیٹا لے جاؤ اس کو ۔۔۔۔"

اپنا نام سنتے ہی اعجاز نے یوں جھرجھری لی جیسے کسی گہری نیند سے جاگا ہو۔ پھر جلدی سے جا کر اس نے بلال کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ مگر اس کی سمجھ میں اب بھی نہیں آیا کہ اسے کہے کیا۔ ابھی لمحہ بھر پہلے کے بلال نے تو اسے بھی اندر سے ہلا دیا تھا۔ یقیناً" یہ وہ بلال نہیں تھا جو ماں کے ہاتھ سے کھانا کھاتا تھا' جو اپنی چھوٹی چھوٹی ٹانگوں پر تربوز کے جیسا سر لئے سارا وقت ہنستا ہی رہتا تھا' جس کو ہفتے میں ایک بار نہلانا اس کی ذمہ داریوں میں شامل تھا۔ جو باپ کی ڈانٹ ڈپٹ' گالی' دھتکار ۔۔۔۔۔ کسی بھی بات کو نہیں سمجھتا تھا۔ جو رات میں اس کے ساتھ سوتا تھا اور چھوٹے چھوٹے بچوں کی طرح اس سے لپٹ کر بھائی بھائی کہتا' اسے پیار کرتا اچانک سو جاتا اور پوری رات ایک ہی حالت میں پڑا گہری نیند سویا رہتا تھا اور جس کے پہلو میں لیٹے جاگتے' دوسرے کمرے سے آتی گالیوں' طعنوں کی آوازوں کو اپنی سماعت سے منہا کرنے کی کوششوں کے درمیان کبھی یہ بھی سوچتا کہ بلال کے خوابوں کے باسی کیا بلال کے جیسے ہی ہوں گے ۔۔۔۔۔۔ کیسے خواب دیکھتا ہے بلال۔ کبھی اپنے بارے میں بھی سوچتا ہے؟ وہ اس کے بازو میں پتھر کی طرح پڑا ہوا کیا انسان ہی ہے؟ یہ بلال وہ بلال نہیں ہو سکتا۔

"بلال! ۔۔۔۔۔۔" اس نے آہستہ سے بڑے بھائی کا نام لیا اور اس کی صورت غور سے دیکھی۔

"بھائی ------ میرا بھائی! بلال' بھائی -------" بلال کا چہرہ کھل اٹھا۔ اس نے اعجاز کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑایا اور اپنے چھوٹے چھوٹے بازو اس کے بازوؤں کے گرد لپیٹ کر زور سے ہنس دیا۔ وہی دیوانہ قہقہہ' وہی ابلتی ہوئی آنکھیں اور چہرے پر چھائی وہی خالی اور کھوکھلی زندگی۔ یا شاید یہ دیکھنے والے کی آنکھ کا قصور تھا کہ اسے وہ نظر نہیں آتا تھا جو اس باریک پرت کے نیچے تھا۔ اعجاز نے اس کے ہاتھوں سے اپنے ہاتھ چھڑائے اور ایک بار پھر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ پھر مڑ کر ماں کی طرف دیکھا۔ باپ اٹھ کر بیٹھ چکا تھا اور ماں کے سہارے کھڑا ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے باپ کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کی مگر اس کی آنکھیں جھکی ہوئی تھیں اور چہرہ بند تھا۔

"بلال گھوڑے دیکھنے چلو گے؟" اس نے سوال بلال سے کیا مگر اس کی نظریں اب بھی باپ کے چہرے پر تھیں۔ ماں نے کانپ کر بیٹے کی طرف دیکھا۔ پھر شوہر کی طرف۔ مگر وہ جھکی نظریں اب بھی نہیں اٹھیں۔

"دیکھنے چلو گے ------ دیکھنے چلو گے -----" بلال نے بھائی کی بات دہرائی۔

"اماں ہم گھوڑے دیکھنے جا رہے ہیں۔" اس کی آواز میں کچھ اور مضبوطی آ گئی۔ مگر اب بھی اپنی بات ختم کر کے' چپ رہ کر اس نے جواب کا انتظار کیا۔

"گھوڑے جا رہے ہیں-----" بلال نے پھر بھائی کی بات دہرانے کی کوشش کی۔

اعجاز کا سوال ابھی بھی کمرے کی فضا میں ٹھہرا ہوا تھا۔ ماں نے کچھ جواب نہیں دیا۔ شاید اس کا خیال تھا کہ سوال جو باپ سے ہونا چاہئے تھا اور نہیں ہوا تھا اور جو اول تو سرے سے ہونا ہی نہیں چاہئے تھا' اب پھر کسی نئے فساد کی بنیاد بن جائے گا۔ سوال ہوا میں کہیں ٹھہرا ہی رہا۔

"اماں ہم گھوڑے دیکھنے جا رہے ہیں۔" اس نے ایک بار پھر کہا مگر اب یہ سوال نہیں تھا' ایک فیصلہ تھا ایک اطلاع تھی۔ کسی جواب کا انتظار کئے بنا وہ بھائی کو لے کر سیڑھیوں کی طرف چلا گیا۔

"بلال! آپ کو پتہ ہے ہم گھوڑے دیکھنے جا رہے ہیں۔ بہت طاقت والے گھوڑے ہیں۔ کچھ نہیں کہتے وہ کسی کو مارتے نہیں وہ۔" اس نے سر موڑ کر باپ کی طرف دیکھا جو اب سر اٹھائے ان کو جاتا دیکھ رہا تھا۔ دونوں کی نظر ملی۔ پھر اعجاز نے چہرہ پھیر لیا۔ "اگر تم ان کی ناک کے اوپر اور ماتھے سے نیچے اپنا ہاتھ پھیرو تو وہ خوش ہوتے ہیں۔ اور تمہیں پتہ ہے وہاں دو آدمی ہیں جو ان کو مالش کرتے ہیں۔ اور اتنے طاقت والے ہیں گھوڑے کہ وہ سامنے جو پہاڑ ہے ناں بڑا سا ------ یہ گھوڑے' وہاں جو لوگ رہتے ہیں' ان کے پاس کھانا لے کر جاتے ہیں۔ اور آدمی ان کو مالش کرتے ہیں ان کو پتہ ہے کیا کہتے ہیں؟ ----- سائیس ------ سائی اس ------ سا۔ ئی س۔ بولو' سائیس۔" "سائی----" بلال نے جلدی سے یوں کہا جیسے لفظ کو منہ سے گرا دیا ہو۔ پھر ہنس دیا "سائی ------ سائی' بھائی -----"

"سائی نہیں بلال ---- سائیس۔" اس نے آہستہ آہستہ حرف حرف ادا کیا اور بلال کا ہاتھ پکڑ کر ایک ایک کر کے سیڑھیاں اترتا' سڑک پر اتر گیا۔ ماں کی آنکھوں میں بھرے آنسو آخر کار چھلک گئے جنہیں اس نے پہلے سے منہ پھیر کر دوپٹے میں جذب کر لیا۔ باپ نے کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا۔

بعد میں جب ماں' باپ کے گھٹنوں پر ہلدی اور سرسوں کے تیل کی پٹیاں باندھ رہی تھی تو اندر ہی اندر کانپے بھی جا رہی تھی کہ بیٹوں کی بغاوت اب کیا گل کھلائے گی۔ ایک بار اس نے سر اٹھا کر باپ کے چہرے کی جانب

ہ چپ چاپ ایک ٹک اسی کے چہرے کو دیکھتا نظر آیا۔ دونوں کی نظریں ملیں تو وہ جیسے سر سے پیر تک کانپ
ماں کو ابھی اتنی تسلی تو تھی کہ باپ کو ابھی کچھ عرصے تک کم از کم لاتوں کا استعمال تو ترک کرنا پڑے گا۔ پھر بھی
جھرجھری کو کسی زبانی حملے کا پیش خیمہ سمجھ کر وہ خود بھی کانپ گئی۔ مگر جب دیر تک وہی خاموشی رہی تو ماں نے
یں اٹھائیں۔ اب وہ نظریں جھکائے بیٹھا تھا۔ وہ کچھ سمجھ نہ سکی۔

"بس بس ٹھیک ہے------ اب جاؤ تم بھی جا کر اپنا کام کرو ------" باپ کے لہجے میں ایک خجالت
تھی۔ پھر اس نے منہ موڑ لیا تو ماں بھی پلنگ سے اتری اور اپنے جوتوں میں پیر ڈالے اور زمین پر رکھا ہلدی اور تیل
کٹورا' روئی کا پیکٹ اور چادر' جس کو پھاڑ کر پٹیاں بنائی گئی تھیں' اٹھا کر کمرے سے نکلنے کو ہوئی ہی تھی کہ اس کی
آواز نے پھر پیر پکڑ لئے ------ "کیا کھا کے پیدا کیا تھا اس کو ہاجرہ؟"

ماں نے ایک گہری سانس لی۔ پھر وہی قصہ شروع! اس نے بے دلی سے سوچا مگر سینے سے اٹھتی آہ کو سینے ہی
میں دبا دیا۔

"آپ ہی کے بچے ہیں جی ------" اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں ------ شیر دے پتر شیر ہی ہوتے ہیں ------"

"شیر دے پتر شیر!" اس کی آواز میں ایک تلخی ایک طنز تھا۔

ماں نے مڑ کر دیکھا۔ "ہاں جی ------ میں تو پہلے بھی یہی کہتی تھی۔ آخر آپ کے ہی بچے ہیں
------" اس نے جوا کھیلا اور جلدی سے کمرے سے نکل گئی۔ چولھے کی طرف جاتے ہوئے اس نے باورچی
خانے کی کھڑکی سے باہر نظر کی۔ وہ دونوں صبح کی پیلی دھوپ میں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے سڑک کی چڑھائی چڑھ
رہے تھے۔ بلال کا ہاتھ اعجاز کے ہاتھ میں تھا۔ جیسے وہ سفید کپڑوں میں لپٹا' بڑے سے سر والا بچہ اپنے چھوٹے بھائی کا
چھوٹا بھائی ہو۔ کھڑکی کا پردہ ہاتھ میں پکڑے وہ کچھ دیر کھڑی انہیں دیکھتی رہی۔ بلال کی چھوٹی چھوٹی ٹانگوں کے لئے
سڑک کا عمود سازگار نہیں تھا مگر اس کا اٹھا ہوا ہاتھ ایک ہاتھ میں تھا۔ ماں کا دل اس ہاتھ کے لئے بھر آیا۔ پھر اس
نے پردہ ہاتھ سے چھوڑ دیا اور چولھے کی طرف چلی گئی۔ تیل ہلدی کا ڈونگا اس نے چولھے کے اوپر بنی اور دھوئیں
سے سیاہ ہوئی کارنس پر رکھا اور چادر کا گولا سا بنا کر میز کے نیچے لڑھکا دیا۔ پھر صابن مل مل کر ہاتھ دھوئے۔ دوپٹے
کے پلو سے خشک کئے اور چولھے کے سامنے رکھے پیڑھے پر بیٹھ کر دونوں پیر سامنے پھیلائے اور دیوار سے ٹیک لگا کر
آنکھیں بند کرلیں جیسے لمبی مسافت سے پلٹ آنے کے بعد ستانے بیٹھی ہو۔ لیکن ابھی یوں بیٹھے دو لمحے بھی نہ
گزرے ہوں گے کہ چونک کر آنکھیں کھولیں اور سیدھی ہو بیٹھی۔ پھر جلدی جلدی پرات میں آٹا نکال کر گھی اور
شکر اس میں ملائی اور بلال کے لئے چوری بنانے کے اہتمام میں لگ گئی۔